

فَعَلَيْكُمْ سُنَّتِي وَسُنَّةَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ

ماہنامہ
جہانِ مسلم

السنة

شمارہ نمبر
35

شوال 1432ھ، برطانوی ستمبر 2011ء

• گم پایا

• امام ابن صاعد

• معرکہ حق و باطل

• قارئین کے سوالات

• صحیحین میں بدعتی راوی

• عقیدہ صرف ساتویں دن

• حلال جانوروں کا پیشاب!

• کوئی حدیث قرآن کے مخالف نہیں



غلام صطفیٰ ظہیر

مدیر

دارالافتاء دارالافتاء پاکستان

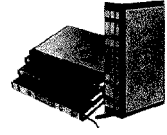
www.AhlesunnatPk.com





غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

معركه حق و باطل



عقیدہ نمبر ۱۰ : دلیل ①: اعشیٰ مازنی رحمۃ اللہ علیہ خدمتِ اقدس

میں اپنے بعض اقارب کی ایک فریاد لے کر حاضر ہوئے اور اپنی منظوم عرضی کی جس کی ابتدا اس مصرع سے تھی: ”یا مالک الناس و دیان العرب“ ”اے تمام آدمیوں کے سردار اور اے عرب کے جزا و سزا دینے والے۔“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فریاد سن کر شکایت رفع فرمادی۔“ (زوائد مسند الامام احمد: ۲۰۱/۲)

تبصرہ : اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔ اس میں صدقہ بن طیسلمہ اور معن

بن ثعلبہ مازنی دونوں راوی ”مجهول الحال“ ہیں، سوائے امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ عقائد کے متعلق مجهول راویوں کی روایات پر اعتماد کرنا اہل بدعت ہی کی شان ہے۔

اسی طرح زوائد مسند الامام احمد (۲۰۲/۲) میں یا سید الناس و دیان العرب کے الفاظ بھی آتے ہیں، سند یہ ہے: أبو سلمة عبید بن عبد الرحمان الحنفی :

حدّثنی الجنید بن أمین بن ذروة بن نضلة بن طریف بن بهصل الحرمازی : حدّثنی أبی أمین بن زروة عن أبیه ذروة بن نضلة عن أبیه نضلة بن طریف ...

اس سند میں لگا تار چار مجهول راوی موجود ہیں۔ حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”اس سند میں راویوں کا پورا ایک گروہ ایسا ہے فیہ جماعة لم أعرفهم .“

جن کو میں نہیں جانتا۔“ (مجمع الزوائد للہیثمی : ۲۰۲/۲)

دلیل نمبر ②: حارث بن عوف مازنی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی :



ابعث معی من یدعو الی دینک فأنا لمجار . ”میرے ساتھ کسی شخص کو بھیجیں جو میری قوم کو آپ کے دین کی دعوت دے اور وہ میری پناہ میں ہوگا۔۔۔“

(معجم ابن الاعرابی : ۱۶۶۴، تاریخ ابن عساکر : ۱۲/۱۲)

تبصرہ : اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔ اس میں ابو عثمان سعید الضریح البصری کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے :

إنه كان يضرب غلامه ، فجعل يقول : أعوذ بالله ، قال : فجعل يضربه ، فقال : أعوذ برسول الله ، فتركه ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : والله ، لله أقدر عليك منك عليه ، قال : فأعتقه . ”وہ اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے۔ وہ کہنے لگا : میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ وہ مارتے رہے۔ اس نے کہا : میں اللہ کے رسول کی پناہ میں آتا ہوں، اس پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تم اس غلام پر قادر ہو۔ انہوں نے غلام کو آزاد کر دیا۔“ (صحیح مسلم : ۱۶۵۹)

تبصرہ : صحیح مسلم ہی میں ہے کہ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ بھی تشریف لے آئے تھے، اس لیے غلام نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھ کر کہہ دیا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی پناہ چاہتا ہوں اور آپ ﷺ سے رحم کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر احترام میں سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو چھوڑ دیا۔ علمائے حق کہتے ہیں کہ :

وإن استعاذ بال مخلوق الحيّ الحاضر فيما يقدر عليه فجائز .

”اگر کوئی شخص کسی زندہ اور حاضر مخلوق کی پناہ اس بارے میں مانگے جس پر وہ قادر بھی ہو تو یہ جائز ہے۔“ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے :



((فمن وجد ملجأً أو معاذاً فليعذ به)) ”جو شخص کوئی پناہ پائے، اس

میں آجائے۔“ (صحیح البخاری: ۷۰۸۲، صحیح مسلم: ۲۸۸۶)

جناب احمد رضا خان بریلوی اس حدیث سے اپنا باطل عقیدہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”الحمد للہ! اس حدیث صحیح کے تیور دیکھیے، حیا ہو تو وہابیت کو ڈوب مرنے کی بھی جگہ نہیں۔ یہ حدیث تو خدا جانے بیمار دلوں پر کیا کیا قیامتیں توڑے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی دوہائی دنیا میں ان کی دوہائی مچانے کو بہت تھی نہ کہ وہ بھی یوں کہ سیدنا ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وہ اللہ عزوجل کی دوہائی دیتا رہا، میں نے نہ چھوڑا، جب نبی کریم ﷺ کی دوہائی دی، فوراً چھوڑ دیا۔“ (الامن والعلیٰ از احمد رضا خان بریلوی: ص ۹۲)

اگر کوئی بریلوی ہوش میں ہو تو بتائے کہ دوہائی کی بات کہاں سے آئی؟ بات تو پناہ کی ہو رہی ہے اور وہ بھی زندہ اور حاضر شخص کی پناہ کی۔ اس سے بدعتی دوہائی کا ثبوت کہاں؟ دلیل نمبر ۴): امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بینا رجل يضرب غلاماً له ، وهو يقول : أعوذ بالله ، إذ بصر برسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال : أعوذ برسول الله ...

”ایک صاحب اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ اتنے میں غلام نے نبی کریم ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا۔ کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں آتا ہوں۔ فوراً اس صاحب نے کوڑا ہاتھ میں دیا اور غلام کو چھوڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اللہ مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی پناہ دینے والے کو پناہ دی جائے۔ اس صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! وہ تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔“

(مصنف عبد الرزاق: ۴۴۵/۹-۴۴۶، ح: ۱۷۹۵۷)

تبصرہ: یہ روایت جھوٹ کا پلندہ ہے کیونکہ:



- ① اس کا راوی عمرو بن عبید ”متروک“ اور ”کذاب“ ہے۔
- ② یہ امام حسن بصری کی ”مرسل“ روایت ہے۔ وہ براہ راست نبی اکرم ﷺ سے روایت کر رہے ہیں۔
- ③ اس میں امام عبدالرزاق اور امام سفیان بن عیینہ دونوں ”مدرس“ ہیں اور بصیغہ عن روایت کر رہے ہیں۔

اس جھوٹی روایت پر اپنے عقیدے کی بنیاد ڈالتے ہوئے جناب احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں: ”الحمد للہ! اس حدیث نے تو اور بھی پانی سر سے تیر کر دیا۔ صاف تصریح فرمادی کہ حضور اقدس ﷺ نے غلام کی دونوں دوہائیاں بھی سنیں اور پہلی دوہائی پر ان کا نہ رُکنا اور دوسری پر فوراً باز رہنا بھی ملاحظہ فرمایا مگر افسوس وہابیت کی ذلت و مردودیت کہ نہ تو حضور اقدس ﷺ اس غلام سے فرماتے ہیں کہ تو مشرک ہو گیا۔ اللہ کے سوا میری دوہائی دیتا ہے اور وہ بھی کس طرح کہ اللہ عزوجل کی دوہائی چھوڑ کر۔ نہ آقا اسے ارشاد کرتے ہیں کہ یہ کیسا شرک اکبر، خدا کی دوہائی کی وہ بے پرواہی اور میری دوہائی پر یہ نظر۔ ایک تو میری دوہائی ماننی اور وہ بھی یوں کہ خدا کی دوہائی نہ مان کر۔ افسوس آقا و غلام کو مشرک بنانا درکنار خود جو اس پر راضی ہوئے ہیں، وہ کس مزے کی بات ہے کہ اللہ مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے، دوہائی تو اپنی بھی قائم رکھی اور اپنی دوہائی دینے پر پناہ دینی بھی قائم رکھی۔ صرف اتنا ارشاد ہوا کہ خدا کی دوہائی زیادہ ماننے کے قابل تھی۔“ (الامن والعلی: ص ۹۳)

جھوٹ کے بل بوتے پر ”اعلیٰ حضرت“ کی دوہائی بھی آپ نے سنی۔ بات پناہ کی تھی، دوہائی کہاں سے آئی؟ ان تمام احادیث پر ”اعلیٰ حضرت“ صاحب نے یوں شہ سرنجی جمائی:

”نبی ﷺ تمام آدمیوں کے مالک ہیں۔“

سبحان اللہ! کیسے ”مضبوط“ دلائل ہیں اور کیسے نرالے استنباطات ہیں!





غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

کوئی حدیث قرآن کے مخالف نہیں

اہل اسلام کے نزدیک حدیث بالاتفاق وحی ہے۔ کوئی صحیح حدیث قرآن کے معارض و مخالف نہیں بلکہ حدیث قرآن کریم کی تشریح و توضیح کرتی ہے۔ اگر کسی کو کوئی صحیح حدیث قرآن کریم کے مخالف و معارض نظر آتی ہے تو اس کی اپنی سوچ سمجھ کا قصور ہوتا ہے جیسا کہ کئی قرآنی آیات بظاہر کسی کو ایک دوسرے کے معارض محسوس ہو جاتی ہیں۔ لہذا حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

مشہور تابعی امام ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ (۶۶-۱۳۱ھ) فرماتے ہیں:

إذا حدث الرجل بسنة، فقال: دعنا من هذا وأجبنا عن القرآن، فاعلم أنه ضالّ. ”جب آپ کسی شخص کے سامنے کوئی حدیث بیان کریں اور وہ کہہ دے کہ اسے چھوڑو، ہمیں قرآن سے جواب دو تو سمجھ لو کہ وہ شخص گمراہ ہے۔“

(معرفة علوم الحديث للحاكم: ص ۶۵، وسنده حسن)

عظیم تابعی سیدنا سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۵ھ) کے بارے میں روایت ہے:

إنه حدث يوما بحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم، فقال الرجل: في كتاب ما يخالف هذا، قال: لا أراني أحدثك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتعرض فيه بكتاب الله، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أعلم بكتاب الله تعالى فيك. ”انہوں نے ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہہ دیا: قرآن میں اس کے خلاف بات موجود ہے۔ اس پر



انہوں نے فرمایا: میں تجھے اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تو اس کے خلاف اللہ کی کتاب پیش کر رہا ہے! اللہ کے رسول ﷺ، اللہ کی کتاب کے مندرجات کو تجھ سے بڑھ کر جانتے تھے۔“ (مسند الدارمی: ۱/۱۴۵، وسندہ صحیح)

رسول اللہ ﷺ کی حدیث، کتاب اللہ کی مراد، تشریح اور بیان ہے، حدیث رسول کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا ناممکن ہے۔ جیسا کہ:

امام الشام مکول تابعی رحمہ اللہ (م ۱۱۳ھ) فرماتے ہیں: القرآن أحوج إلى السنة من السنة إلى القرآن . ”قرآن کریم (تشریح و توضیح کے حوالے سے) حدیث کا نسبتاً زیادہ محتاج ہے۔“ (السنة لمحمد بن نصر المروزي: ص ۲۸، وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ (م ۱۲۹ھ) فرماتے ہیں: السنة قاضية على القرآن ، وليس القرآن بقاض على السنة . ”حدیث رسول، قرآن کریم کے لیے فیصل ہے، قرآن کریم حدیث کے لیے فیصل نہیں۔“ (مسند الدارمی: ۱/۱۴۵، وسندہ حسن، السنة لمحمد بن نصر المروزي، ص ۲۸، جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر: ۱۹۰/۲، وسندہ صحیح)

امام دارمی رحمہ اللہ (۱۸۱-۲۵۵ھ) نے اپنی کتاب میں اسی قول کے مطابق تبویب کی ہے۔ امام اندلس، علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۸-۴۶۳ھ) اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: يريد أنها تقضى عليه وتبين المراد منه . ”اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث وسنت قرآن کریم کا حتمی نتیجہ بیان کرتی ہے اور اس کی مراد واضح کرتی ہے۔“

(جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر: ۱۹۱/۲)

اس قول کی مزید تشریح امام اوزاعی رحمہ اللہ (م ۱۵۷ھ) کے اس فرمان سے ہوتی ہے: إن السنة جاءت قاضية على الكتاب ، ولم يجيء الكتاب قاضيا على



السنة . ”سنت قرآن کریم کے لیے فیصل بن کرآئی ہے، قرآن اس کے لیے

فیصل بن کر نہیں آیا۔“ (معرفة علوم الحديث للحاكم: ص ۶۵، وسنده حسن)

ظاہر ہے کہ کسی کتاب کی شرح ہی اس میں موجود مندرجات کا کوئی حتمی نتیجہ نکال سکتی ہے۔ جو چیز خود وضاحت کی محتاج ہو، وہ اپنی شرح کے لیے فیصل کیسے بن سکتی ہے؟

امام ابن عبد البرؒ (۳۶۸-۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

البيان عن النبي صلى الله عليه وسلم على ضربين : الأول بيان المجمل في الكتاب العزيز كالصلوات الخمس في مواقيتها وسجودها وركوعها وسائر أحكامها ، وكيانها للزكاة وحدها ووقتها وما الذي تؤخذ من الأموال ، وبيان الحج الثاني : الزيادة على حكم الكتاب كتحريم نكاح المرأة على عمتها وخالتها وكتحريم الحمر الأهلية وكل ذي ناب من السباع إلى أشياء يطول ذكرها ”نبی اکرم ﷺ کی طرف سے کتاب اللہ کی وضاحت و

تشریح دو طرح کی ہے: ایک وہ جو کتاب عزیز میں موجود مجمل بیانات کی توضیح ہے جیسا کہ پانچ نمازوں کے اوقات ، ان کے رکوع و سجود اور دیگر تمام احکام ہیں، نیز زکوٰۃ ، اس کی مقدار، اس کا وقت اور ان اموال کا بیان جن میں زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح حج کا بیان ہے۔۔۔۔۔ دوسری قسم کا بیان وہ ہے جو کتاب اللہ سے زائد ہے، جیسے کسی عورت کی پھوپھی یا خالہ سے نکاح کے ہوتے ہوئے اس سے بھی نکاح کرنے کی ممانعت اور جیسے گھریلو گدھوں اور ہر ذی ناب درندے کی حرمت کا بیان ہے۔ اسی طرح بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔“ (جامع بيان العلم وفضله: ۱۹۰/۲)

فضل بن زیاد کا بیان ہے: سمعت أبا عبد الله ، يعني أحمد بن

حنبل ، وسئل عن الحديث الذي روى أنّ السنة قاضية على الكتاب ، فقال : ما



أجسر على هذا أن أقوله ، ولكن السنة تفسير الكتاب وتعرف الكتاب وتبينه .
 ”میں نے امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو سنا، ان سے اس حدیث کے بارے
 میں سوال کیا گیا کہ سنت کتاب اللہ کے لیے فیصل ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں ایسا کہنے کی
 جرات نہیں کر سکتا (کیونکہ یہ روایت نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں)، البتہ سنت کتاب اللہ
 کی تفسیر ہے جو قرآن کی تشریح و توضیح کرتی ہے۔“

(الكفاية في علم الرواية للخطيب : ص ٤٧، وسنده حسن)

علامہ شاطبی رحمہ اللہ (م ٩٠٧ھ) اس قول کی وضاحت یوں کرتے ہیں :

إن قضاء السنة على الكتاب ليس بمعنى تقديمها عليه وإطراح الكتاب ،
 بل إن ذلك المعبر في السنة هو المراد في الكتاب ، فكان السنة بمنزلة
 التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب ، دلّ على ذلك قول الله تعالى :
 ﴿لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل : ٤٤) . ”حدیث کے کتاب اللہ کے
 لیے فیصل ہونے سے مراد اس کو مقدم کر کے قرآن کریم کو پس پشت ڈالنا نہیں بلکہ اس کا
 مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا جو معنی سنت و حدیث میں بیان کیا گیا ہے، وہی کتاب اللہ کا
 حقیقی معنی ہے۔ اس طرح حدیث قرآن کریم کی تفسیر اور اس کی شرح ہے۔ اس کی دلیل
 اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل : ٤٤)

(تاکہ آپ لوگوں کے لیے ان کی طرف نازل شدہ وحی کی وضاحت فرما

دیں)۔“ (الموافقات للشاطبی : ٨٠٧/٤)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ (٨٣٩-٩١١ھ) لکھتے ہیں :

والحاصل أن معنى
 احتياج القرآن إلى السنة أنها مبيّنة له ومفصلة لمجملاته ، لأن فيه لو
 جازته كنوزا تحتاج إلى من يعرف خفايا خباياها فيبررها ، وذلك هو



المنزل عليه صلى الله عليه وسلم ، وهو معنى كون السنة قاضية عليه ، وليس القرآن مبينا للسنة ولا قاضيا عليها ، لأنها مبينة بنفسها ، إذا لم تصل إلى حد القرآن في الإعجاز والإيجاز ، لأنها شرح له ، شأن الشرح أن يكون أوضح وأبين وأبسط من المشروع .

”الحاصل قرآن کریم کے محتاج حدیث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث ، قرآن مجید کی وضاحت اور اس کے مجملات کی توضیح ہے کیونکہ کلام الہی میں ایسے خزانے ہیں جن کے مخفی رازوں کی معرفت کے لیے آپ ضرور کسی راہنما کے محتاج ہوں گے اور یہی چیز رسول اللہ ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل کی گئی ہے۔ حدیث کے قرآن کریم کے لیے فیصل ہونے کا یہی معنی ہے۔ قرآن کریم ، حدیث کے لیے فیصل و قاضی نہیں کیونکہ حدیث خود واضح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث فصاحت و بلاغت میں قرآن کریم کی ہم پلہ نہیں کیونکہ یہ اس کی شرح ہے اور شرح ہمیشہ اصل سے زیادہ واضح اور مبسوط ہوتی ہے۔“

(مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة للسيوطي : ص ٤٤)

اتنی سی وضاحت کے بعد ایک فرمانِ رسول ملاحظہ ہو :

سیدنا مقدم بن معدیکرب الکندی رحمۃ اللہ علیہ (م ٨٧ھ) بیان کرتے ہیں :

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حرم أشياء يوم خيبر ، الحمار وغيره ، ثم قال : ((ليوشك الرجل متكئا على أريكته ، يحدث بحديثي ، فيقول : بينا وبينكم كتاب ، ألا وإن ما حرم رسول الله ، فهو مثل ما حرم الله تعالى .

”رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن گھریلو گدھے وغیرہ کو حرام قرار دیا ، پھر فرمایا : عنقریب ایک آدمی اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا ، اس کو میری حدیث سنائی جائے گی اور وہ کہے گا : ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی فیصل ہے۔ (لیکن) خبردار ! جو چیز اللہ



کے رسول نے حرام کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کی طرح ہی حرام ہے۔“

(مسند الامام احمد : ۱۳۲/۴، سنن الترمذی : ۲۶۶۴، سنن ابن ماجہ : ۱۲، ۳۱۹۳، مسند الدارمی :

۶۰۶، المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۱۰۹/۱، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن غریب“ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔

اس حدیث سے حدیث رسول کی تشریحی حیثیت واضح ہوتی ہے جیسا کہ امام محمد بن

نصر موزی رحمہ اللہ (م ۲۹۴ھ) لکھتے ہیں :

إِنَّ التحليل والتحریم من اللّٰه يكون علی وجهین : أحدها أن ينزل اللّٰه
تحریم شیء فی کتابه فیسمّیه قرآنا کقوله : ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ
وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾ (المائدة : ۳) ، وما أشبه ذلك ممّا قد حرّمه فی کتابه ، والوجه
الآخر أن ينزل علیه وحیا علی لسان جبریل بتحريم شیء أو تحلیله أو افتراضه ،
فیسمّیه حکمة ولا یسمّیه قرآنا ، وكلاهما من عند اللّٰه كما قال اللّٰه : ﴿وَأَنْزَلَ
عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء : ۱۱۳)۔

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلت و حرمت کے احکامات دو طریقوں سے آتے ہیں : ایک
تو اس طرح کہ کتاب اللہ میں کسی چیز کی حرمت بیان ہو اور اس کا نام قرآن رکھا جائے جیسا
کہ فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾ (المائدة : ۳)

(تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا)۔ اسی طرح وہ چیزیں ہیں جن کو
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل کی زبانی کسی چیز کی حرمت یا حلت یا فرضیت نازل ہو اور اس کو اللہ
تعالیٰ قرآن نہیں بلکہ حکمت کا نام دیتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے :



﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء: ١١٣)

”اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے۔“

(السنة لمحمد بن نصر المروزی: ص ۱۱۵)

اس حدیث پر امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے یوں تبویب کی ہے:

باب ما جاء في التسوية بين حكم كتاب الله تعالى وحكم سنة رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم في وجوب العمل ولزوم التكليف .

”ان دلائل کا بیان جن سے ثابت ہوتا ہے کہ واجب العمل ہونے میں کتاب اللہ اور

سنت رسول دونوں کا حکم برابر اہمیت و حیثیت کا حامل ہے۔“ (الكفاية للخطيب: ۲۳)

امام طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) قرآن کریم میں مذکور ”حکمت“ کے بارے میں فرماتے ہیں:

الصواب من القول عندنا في الحكمة أنها العلم بأحكام الله التي لا

يدرك علمها إلا ببيان رسول الله صلى الله عليه وسلم والمعرفة بها ... وهو

عندي مأخوذ من الحكم الذي بمعنى الفصل بين الحق والباطل بمنزلة

الجلسة والقعدة من الجلوس والقعود ، يقال : إن فلانا لحكيم بين الحكمة ،

يُعْنَى به : إنه لبين الإصابة في القول والفعل .

”ہمارے خیال میں حکمت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام کی وہ علم و معرفت ہے جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔۔۔ میرے خیال میں یہ ”حکمت“، حکم

بمعنی ”حق و باطل میں فرق“ سے ماخوذ ہے جیسا کہ جلسہ اور قعدہ، جلوس اور قعود سے ماخوذ

ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص واضح حکمت والا حکیم ہے، اس قول سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ

قول و فعل میں واضح طور پر درست رہتا ہے۔“ (تفسير الطبري: ۶۰۸/۱، تحت البقرة: ۱۲۹)



ابوعبداللہ صارم

گم پایا

طائفہ منصورہ، ائمہ محدثین کے خلاف بعض لوگوں نے قرآن و حدیث کے خلاف یہ عقیدہ گھڑ رکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اس باطل اور انتہائی گمراہ کن عقیدے کے خلاف حدیثی دلائل اختصاراً ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ①: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة من الفراش ، فالتمسته ...
 ”ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر سے گم پایا اور ان کو تلاش کرنے لگی۔۔۔“
 (صحیح مسلم: ۱۹۲/۱، ح: ۴۸۶)

دلیل نمبر ②: سیدنا ابوقادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

أصبح الناس وقد فقدوا نبیہم ...
 ”صبح ہوئی تو لوگوں نے اپنے نبی ﷺ کو گم پایا۔۔۔“ (صحیح مسلم: ۲۳۹/۱، ح: ۶۸۱)

دلیل نمبر ③: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کنّا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة ، ففقدناه ، فالتمسناه
 فی الأودية والشعاب ، فقلنا : استطير أو اغتيل ، قال : فبتنا بشر ليلة بات بها
 قوم ، فلما أصبحنا إذا جاء من قبل حراء ، قال : فقلنا : يا رسول الله ! فقدناك ،
 فطلبناك ، فلم نجدك ، فبتنا بشر ليلة بات بها قوم ...

”ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اچانک ہم نے آپ کو گم پایا۔ ہم نے آپ کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ پھر ہم نے کہا کہ (شاید) آپ پر جنوں یا



انسانوں نے پراسرار طور پر حملہ کر دیا ہو۔ ہم نے وہ ساری رات سخت ترین پریشانی اور اذیت میں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ غارِ حراء کی جانب سے تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو گم پایا اور تلاش کرتے رہے لیکن آپ کہیں نہ ملے، لہذا ہم نے پوری رات سخت ترین پریشانی اور اذیت میں گزاری۔۔۔“

(صحیح مسلم: ۱/۱۸۴، ح: ۴۵۰)

دلیل نمبر ۴: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

اَفْتَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ ذَهَبَ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ ، فَتَحَسَّسْتُ ، ثُمَّ رَجَعْتُ ، فَإِذَا هُوَ رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ ، يَقُولُ : سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ . ”ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو (بستر سے) گم پایا۔ میں نے سمجھا کہ آپ کسی بیوی کے گھر چلے گئے ہوں گے۔ میں نے تلاش کیا، پھر واپس لوٹی تو آپ ﷺ رکوع یا سجدے میں یہ دعا پڑھ رہے تھے: سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ۔۔۔“ (صحیح مسلم: ۱/۱۹۲، ح: ۴۸۵)

دلیل نمبر ۵: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَنَاَسَا فِي بَعْضِ الصَّلَوَاتِ ... ”رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز میں کچھ لوگوں کو گم پایا۔۔۔“ (صحیح مسلم: ۱/۲۳۲، ح: ۶۵۱)

دلیل نمبر ۶: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ ، أَوْ شَابًا ، فَفَقَدَهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَسَأَلَ عَنْهَا أَوْ عَنْهُ ، فَقَالُوا : مَاتَ ... ”ایک عورت یا نوجوان کی عادت مسجد میں جھاڑو دینے کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے گم پایا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اس کی وفات ہو



گئی ہے۔“ (صحیح مسلم: ۳۰۹/۱، ح: ۹۵۶)

دلیل نمبر ④ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنِ قَيْسٍ ، فَقَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهُ ، فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ مِنْكَسَا رَأْسَهُ ...
 ”نبی اکرم ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو گم پایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں آپ کو ان کے بارے میں آگاہی دیتا ہوں۔ وہ شخص آیا تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔“ (صحیح البخاری: ۵۱۰/۱، ح: ۳۶۱۳)

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ ، وَهُوَ جَنْبٌ ، فَاَنْسَلَّ ، فَذَهَبَ ، فَاغْتَسَلَ ، فَفَتَقَدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَمَّا جَاءَهُ قَالَ :
 أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟ ... ”وہ مدینہ منورہ کے ایک راستے میں نبی اکرم ﷺ سے ملے۔ اس وقت وہ جنابت کی حالت میں تھے، لہذا چپکے سے کھسک گئے اور جا کر غسل کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں تلاش کیا۔ جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! آپ کہاں تھے؟“ (صحیح مسلم: ۱۶۲/۱، ح: ۳۷۱)

دلیل نمبر ⑥ : سیدنا قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک

انصاری صحابی کا نبی اکرم ﷺ کے پاس آنا جانا تھا۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی ہوا کرتا تھا۔ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ صحابی نے عرض کی: جی، اللہ کے رسول!۔۔۔ ففقدہ النبى صلى الله عليه وسلم ، فسأل عنه ، فقالوا : يا رسول الله ! مات ابنه ... ”نبی اکرم ﷺ نے اسے گم پایا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس کا بیٹا فوت



ہو گیا ہے۔“ (مسند الطیالسی : ص ۱۴۵، مسند الامام احمد : ۴۳۶/۳، سنن النسائی : ۱۸۷۱، المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۳۸۴/۱، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۹۴۷) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : هذا حدیث صحیح الإسناد . ”اس حدیث کی سند صحیح ہے۔“

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : إسناده صحیح . ”اس کی سند صحیح

ہے۔“ (فتح الباری لابن حجر : ۳۶۱/۳)

دلیل نمبر ۱۰ : سیدنا ابو بزرہ اسلمی رحمہ اللہ سے روایت ہے :

فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة له ، قال : فلما أفاء الله عليه قال لأصحابه : هل تفقدون من أحد ؟ قالوا : نفقد فلانا ونفقد فلانا ، قال : انظروا ، هل تفقدون من أحد ؟ قالوا : لا ، قال : لكنني أفقد جليبي ، قال : فاطلبوه في القتلى ، قال : فطلبوه ، فوجدوه إلى جنب سبعة قد قتلهم ، ثم قتلوه .

”رسول اللہ ﷺ ایک غزوے میں نکلے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال غنیمت عطا کیا تو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا تم کسی کو گم پاتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی: ہم فلاں اور فلاں کو گم پاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو، کیا کسی اور کو بھی گم پاتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن میں تو جلیب کو گم پاتا ہوں۔ انہیں مقتولین میں تلاش کرو۔ صحابہ کرام نے تلاش کیا تو انہیں سات کفار کے پہلو میں پایا جنہیں جلیب رحمہ اللہ نے قتل کیا تھا، پھر کفار نے انہیں قتل کر دیا تھا۔“ (مسند الامام احمد : ۴۲۲/۴، وسندہ صحیح)

تلک عشرۃ کاملۃ یہ صحیح احادیث کی صورت میں پورے دس دلائل ہیں۔

ان دلائل سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں



بھی ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے۔ آپ ﷺ صحابہ کرام سے اور صحابہ کرام آپ ﷺ سے گم ہو جایا کرتے تھے۔ اگر آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو ایسا کیوں ہوتا تھا؟

اس سلسلے میں ایک اور حدیث پیش خدمت ہے۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
 كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر ، فقال : يا مغيرة ! خذ
 الإداوة ، فأخذتها ، فانطلق رسول الله صلى الله عليه وسلم ، حتى توارى عني ،
 فقضى حاجته . ”میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ آپ ﷺ نے
 فرمایا: اے مغیرہ! (پانی والا) برتن پکڑو۔ میں نے برتن پکڑ لیا۔ پھر آپ ﷺ چلتے گئے حتی
 کہ مجھ سے چھپ گئے اور قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔“

(صحیح البخاری: ۵۲/۱، ح: ۳۶۳، صحیح مسلم: ۱۳۳/۱، ح: ۲۷۴)

کیا جو شخص دوسروں سے اتنا دُور ہو جائے کہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے، وہ
 ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتا ہے؟ عقلی طور پر بھی یہ محال اور ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ
 حاضر و ناظر ہوں کیونکہ ہر جگہ میں تو گندگی اور غلاظت والی جگہیں بھی شامل ہیں، نیز لوگوں
 کی خلوت گاہیں اور ایسی جگہیں بھی شامل ہیں جن کو ایک عام مسلمان بھی دیکھنا پسند نہیں
 کرتا۔ کسی مسلمان کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ آپ ﷺ کے اپنے پاس حاضر و ناظر ہوتے
 ہوئے اپنی زندگی کے سارے معاملات کو انجام دے سکے۔ بہت سے جائز معاملات ایسے
 ہیں کہ ایک مسلمان مر تو سکتا ہے لیکن ان کو کسی دوسرے مسلمان بھائی کے سامنے بھی انجام
 نہیں دے سکتا چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے وہ ایسا کرے!!!

قارئین کرام سے ہماری درخواست ہے کہ وہ مذکورہ دلائل کو غور سے ملاحظہ فرمائیں اور
 فیصلہ کریں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ غلط ہے یا صحیح!!!





ابوسعید سلفی

امام ابنِ صاعد

حدیث کے راویوں کے متعلق علم انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس بارے میں امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **التفقه فی معانی الحدیث نصف العلم ، ومعرفة الرجال نصف العلم .** ”آدھا علم حدیث کے معانی میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا ہے اور باقی آدھا علم رجال (راویان حدیث) کی معرفت ہے۔“ (المحدث الفاصل بین الراوی والواعی للرامهرمزی : ۳۲۰/۱، الجامع لاخلاق الراوی للخطیب : ۲/۲۱۱، وسندہ صحیح)

اللہ تعالیٰ نے حاملین علم روایت کی ایک جماعت پیدا کی ہے جنہوں نے ثقہ وضعیف، ضابط و غیر ضابط میں فرق دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ فن رجال علم و بصیرت پر مبنی ہے۔ ائمہ رجال بڑی تحقیق و تفتیش کے ساتھ راویوں کے بارے میں جرح و تعدیل کرتے تھے جیسا کہ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ (۱۹۵-۲۷۷ھ) فرماتے ہیں: **أنکرت قول یحیی بن معین فیہ (یوسف بن خالد السمتی) أنه زندیق ، حتی حمل إلی کتاب قد وضعه فی التجهّم بابا بابا ، ینکر المیزان فی القيامة ، فعلمت أن یحیی بن معین کان لا یتکلم إلا علی بصیرة .** ”میں یوسف بن خالد سمتی راوی کے بارے

میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے زندیق کہنے کو شک کی نظر سے دیکھتا رہا حتیٰ کہ میرے سامنے اس شخص کی ایک کتاب پیش کی گئی جو اس نے عقیدہ جمہیت کے بارے میں ابواب کی صورت میں لکھی تھی۔ اس نے روز قیامت میزان قائم ہونے کا انکار کیا تھا۔ پھر مجھے یقین ہو گیا کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کسی رجال کے بارے میں ہمیشہ علم و بصیرت کے ساتھ کلام کرتے تھے۔“ (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۲۲۲/۹)

تمام ائمہ محدثین کا یہی حال تھا۔ ان ائمہ میں سے ایک محدث العراق ، الامام ، الحافظ ،



عالم بالعلل والرجال، یحییٰ بن محمد بن صاعد، کاتب ابو محمد البهاشمی البغدادی رحمہ اللہ ہیں۔

ولادت باسعادت: آپ رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ۲۲۸ھ کو ہوئی۔

استاذہ کرام: آپ رحمہ اللہ نے محمد بن سلیمان بن لؤینا، احمد بن منیع

البغوی، ابراہیم بن سعید الجوهری، محمد بن مثنیٰ، ابو ہشام الرفاعی اور امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہم اللہ جیسے کبار محدثین کرام سے علم حاصل کیا۔

تلامذہ: آپ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں محدثین کرام کی ایک بڑی جماعت

شامل ہے۔ ان میں عبد اللہ بن محمد البغوی، امام دارقطنی، امام ابن شاہین، امام طبرانی اور امام ابن عدی رحمہم اللہ وغیرہم شامل ہیں۔

توثیق و توصیف: بہت سے ائمہ کرام نے ان کی توثیق کی ہے:

امام غیلی (الارشاد: ۲/۶۱۱)، امام ابراہیم الحربی (تاریخ اسماء الثقات: ص ۲۳۹) اور امام دارقطنی (سنن الدارقطنی: ۱/۳۱۹) رحمہم اللہ نے آپ کو ”ثقة“ قرار دیا ہے۔

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کان أحد حفاظ الحديث وممن

عنى به ورحل فى طلبه . ”آپ رحمہ اللہ حفاظ حدیث میں سے تھے، نیز آپ کا

شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے حدیث کی طلب کا بہت اہتمام کیا اور اس کے لیے

سفر بھی کیا۔“ (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۱۴/۲۳۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳-۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: الحافظ، الإمام، الثقة .

”آپ حافظ، امام اور ثقة تھے۔“ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۲/۷۷۶)

نیز فرماتے ہیں: وله كلام متين في الجرح والتعديل والعلل يدل

على تبخره وسعة علمه . ”آپ رحمہ اللہ نے جرح و تعدیل اور علل کے بارے

میں بڑی عمدہ و ٹھوس کلام کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بڑے بھر اور وسیع العلم شخص

تھے۔“ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۱۳/۵۷۶)



محمد بن نعیم الضعی کہتے ہیں : سمعت أبا علي (الحسين بن علي) الحافظ يقدم أبا محمد بن صاعد علي أبي القاسم بن منيع وأبي بكر بن داود في الفهم والحفظ .
 ”میں نے ابوعلی حسین بن علی الحافظ کو سنا، وہ ابو محمد بن صاعد رحمہ اللہ کو فہم اور حفظ میں ابو القاسم بن منیع اور ابو بکر بن داؤد دونوں پر ترجیح دے رہے تھے۔“ (تاریخ بغداد للخطیب : ۲۳۱/۱۴، وسندہ صحیح)

رحلت علمیہ : آپ رحمہ اللہ نے حصول علم کے لیے بصرہ، کوفہ، شام اور مصر کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین کرام سے اکتسابِ علم کیا۔
فائدہ : ابو بکر الابرہی الفقیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے :

كنت عند يحيى بن محمد بن صاعد ، فجاءته امرأة ، فقالت له : أيتها الشيخ ! ما تقول في بئر سقطت فيها دجاجة فماتت ، هل الماء طاهر أم نجس؟ فقال يحيى : ويحك ! كيف سقطت الدجاجة في البئر؟ قالت : لم تكن البئر مغطاة ، فقال يحيى : ألا غطيتها حتى لا يقع فيها شيء؟ قال الأبهري : فقلت لها : يا هذه ! إن لم يكن الماء تغير فهو طاهر ، ولم يكن عند يحيى من الفقه ما يجيب المرأة .
 ”میں امام یحییٰ بن محمد بن صاعد رحمہ اللہ کے پاس تھا۔ آپ کے پاس ایک عورت آ کر کہنے لگی : اے شیخ ! آپ اس کنویں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس میں گر کر مرغی مر جائے ، کیا پانی پاک رہے گا یا ناپاک ہو جائے گا؟ امام صاحب نے فرمایا : تیری بربادی ہو! مرغی کنویں میں کیسے گر گئی؟ عورت کہنے لگی : کنواں ڈھانپا ہوا نہیں تھا۔ امام یحییٰ (ابن صاعد) رحمہ اللہ نے فرمایا : تُو نے اسے ڈھانپ کر کیوں نہ رکھا تا کہ اس میں کوئی چیز نہ گر پاتی؟ ابرہی کہتے ہیں : میں نے اس عورت سے کہا : اے عورت ! اگر پانی (کا رنگ ، بو یا ذائقہ) نہیں بدلا تو وہ پاک ہے۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ کے پاس عورت کو جواب دینے کے لیے فقہ نہ تھی۔“ (تاریخ بغداد للخطیب : ۲۳۱/۱۴، وسندہ صحیح)



اس واقعے کے متعلق امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

هذا القول تظن من الأبهري ، وقد كان يحيى ذا محل من العلم عظيم ، وله تصانيف في السنن وترتيبها على الأحكام ، يدل من وقف عليها وتأملها على فقهه ، ولعل يحيى لم يجب المرأة لأن المسألة فيها خلاف بين أهل العلم ، فتورع أن يتقلد قول بعضهم أو كره أن ينصب نفسه للفتيا ، وليس هو من المرتسمين بها ، وأحب أن يسئل ذلك إلى الفقهاء المشتهرين بالفتاوى والنظر ، والله أعلم !

”یہ قول ابہری کا اپنا خیال ہے، ورنہ امام یحییٰ (ابن صاعد) رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام بہت بڑا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث اور ان کی فقہی ترتیب پر بہت سے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کتابوں کو دیکھنے اور ان میں غور کرنے والے شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فقیہ شخص تھے۔ شاید آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عورت کو جواب اس لیے نہ دیا کہ اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف تھا اور انہوں نے اس بارے میں کسی ایک کی رائے کی تقلید کرنا پسند نہ کیا ہو یا اس وجہ سے اپنے آپ کو فتویٰ دینے سے روکا ہو کہ آپ اس سلسلے میں بڑے بڑے معروف لوگوں میں سے نہ تھے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ اس بارے میں معروف مفتیان اور فقہاء سے سوال کیا جائے۔“ (تاریخ بغداد للخطیب: ۲۳۱/۱۴)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حافظ ذہبی نے اپنی کتاب ذکر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل (ان لوگوں کا بیان جن کے جرحی و تعدیلی اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے) میں ذکر کیا ہے۔

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے جرح و تعدیل کے اقوال نقل کیے ہیں۔

تصانيف : آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں مسند ابی بکر الصدیق اور حدیث

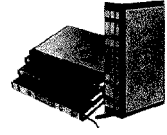
عبداللہ بن مسعود کا ذکر ملتا ہے۔

وفات : آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات ۳۱۸ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ الکریم!



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

قارئین کے سوالات



سوال: کیا بیٹے کے فوت ہونے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد باپ اس کی بیوی، یعنی اپنی سابقہ بہو سے نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: بیٹے کے فوت ہو جانے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دینے کی صورت میں والد اپنی سابقہ بہو کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنا حرام ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ (النساء: ۲۳)

”اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں (تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں)۔“

لہذا سسر اپنی بہو کے ساتھ کسی بھی صورت میں نکاح نہیں کر سکتا۔

سوال: کیا قنوت و ترجمع کے صیغے کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہے؟

جواب: جی ہاں! سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

انہیں قنوت و ترجمع کے یہ الفاظ سکھائے تھے: اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيمَنْ هَدَيْتَ ، وَعَافِنَا

فِيمَنْ عَافَيْتَ ، وَتَوَلَّنَا فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ ، وَبَارِكْ لَنَا فِيمَا اَعْطَيْتَ ، وَقِنَا شَرَّ مَا

قَضَيْتَ ، اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ ، وَاِنَّهٗ لَا يَدُلُّ مَنْ وَّالَيْتَ ، تَبَارَكْتَ

وَتَعَالَيْتَ . ”اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں شامل کر کے ہدایت دے جن کو تُو

ہدایت دے چکا ہے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کر کے عافیت دے جن کو تُو عافیت دے

چکا ہے اور تُو اُن لوگوں میں شامل کر کے ہمارا دوست بن جا جن کا تُو دوست بن چکا ہے اور

تُو نے ہمیں جو کچھ دیا ہے، اس میں برکت دے اور ہمیں اپنے بُرے فیصلے سے بچالے۔

بلاشبہ تو ہی فیصلہ کرتا ہے، تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور بلاشبہ جس کا تو دوست



بن جائے، وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ تو بہت برکت اور بہت بلندی والا ہے۔“

(المعجم الكبير للطبرانی: ۷۳/۳، ح: ۲۷۰۰، وسندہ صحیح)

سوال: کیا سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ ؑ دونوں جنت میں نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہوں گی؟

جواب: سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ بنت مزاحم ؑ دونوں کا جنت میں نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اس بارے میں جتنی بھی روایات ہیں، ان میں سے کوئی بھی اصولِ محدثین کے مطابق پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ملاحظہ فرمائیں:

① سیدنا ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرماتے ہوئے سنا: **أشعرت أن الله قد زوجني في الجنة** مریم بنت عمران و کلثم أخت موسى وامرأة فرعون .

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں مریم بنت عمران، موسیٰ ؑ کی بہن کلثم اور فرعون کی بیوی (آسیہ) سے میرا نکاح کر دیا ہے۔“

(المعجم الكبير للطبرانی: ۲۵۹/۸، ح: ۸۰۰۶، الكامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۷/۱۸۰) یہ جھوٹی روایت ہے کیونکہ: [۱] اس کی سند میں خالد بن یوسف السمّتی راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ امام ابن عدی (الکامل: ۳/۲۵)، حافظ ذہبی (میزان الاعتدال: ۱/۶۲۸) اور حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد: ۹/۲۱۸) رحمہم اللہ نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ [۲] عبد النور بن عبد اللہ راوی ”وضاع“، یعنی حدیثیں خود گھڑ کر رسول اللہ ﷺ

کی طرف منسوب کرنے والا ہے۔ اس کے بارے میں امام عقیلی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: **كان غالبا في الرفض، ويضع الحديث، خبيثا .** ”یہ شخص غالی رافضی

تھا، حدیثیں گھڑتا تھا اور خبیث النفس تھا۔“ (الضعفاء الكبير للعقيلي: ۱۱۴/۳، ت: ۱۸۷)

[۳] یونس بن شعیب راوی کے بارے میں امام بخاری رحمہم اللہ ”منکر الحدیث“ کے



الفاظ جرح استعمال کرتے ہیں۔ (الكامل فى ضعفاء الرجال لابن على : ۷/۱۸۰، وسنده حسن)

امام عقیلی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: حدیثہ غیر محفوظ .

”اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔“ (الضعفاء الكبير للعقيلي : ۴/۵۹)

② سعد بن جنادة بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ زَوَّجَنِي فِي الْجَنَّةِ ، وَمَرِيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ ، وامرأة فرعون ، وأخت موسى . ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کر دیا ہے۔“ (المعجم الكبير للطبرانی : ۶/۵۲، ح : ۵۴۸۵)

اس کی سند سخت ”ضعیف“ ہے۔ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فیہ من لم أعر فہم .

”اس سند میں کئی راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔“ (مجمع الزوائد : ۹/۳۸۸)

ان مجہولوں کے علاوہ اس میں یہ تین راوی ”ضعیف“ بھی ہیں:

[۱] محمد بن سعد العونی کمزور راوی ہے۔ خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كان لينا في الحديث . ”یہ حدیث میں کمزور تھا۔“ (تاریخ بغداد : ۵/۳۲۲)

[۲] سعد بن محمد العونی کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ذاک جہمی ... لو لم یکن هذا أيضا ، لم یکن ممن یستأهل أن یکتب عنہ .

”یہ جہمی تھا۔۔۔ اگر یہ مسئلہ نہ بھی ہو تو یہ اس قابل نہیں کہ اس کی حدیث لکھی

جائے۔“ (تاریخ بغداد : ۹/۱۲۶، وسنده حسن)

[۳] الحسین بن الحسن بن عطیہ العونی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ اس کو

امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم الرازی، امام ابن عدی، امام ابن سعد، امام عقیلی اور امام ابن حبان رحمہم نے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

③ ابن ابی رواد کہتے ہیں: دخل رسول الله صلى الله عليه

وسلم على خديجة في مرضها الذي توفيت فيه ، فقال لها : بالكره مني ما



الذى أرى منك يا خديجة ، وقد يجعل الله فى الكره خيرا كثيرا ، أما علمت أنّ الله زوجنى معك فى الجنة مريم بنت عمران وكلثم أخت موسى وآسية امرأة فرعون ، قالت : وقد فعل الله ذلك يا رسول الله؟ قال : نعم ...

”رسول اللہ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا: مجھے آپ کی یہ حالت دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس دکھ میں بہت زیادہ بھلائی رکھ دے گا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح آپ کے ساتھ ساتھ مريم بنت عمران، کلثم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون کے ساتھ کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔“ (المعجم الكبير للطبرانی: ۲۲/۴۵۱، ح: ۱۱۰۰)

اس کی سند بھی سخت ”ضعیف“ ہے۔ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منقطع الإسناد ، وفيه محمد بن الحسن بن زباله ، وهو ضعيف .

”اس کی سند منقطع ہے، نیز اس میں محمد بن الحسن بن زبالہ راوی ضعیف ہے۔“

(مجمع الزوائد: ۲۸/۹)

محمد بن الحسن بن زبالہ راوی ”کذاب“ اور ”متروک“ ہے۔

④ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

ہاں تشریف لے گئے۔ آپ مرض الموت میں مبتلا تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يا خديجة ، إذا لقيت ضرائرك فاقريهنّ مني السلام ، قالت : يا رسول

الله ! وهل تزوجت قبلى ، قال : لا ، ولكن الله زوجنى مريم بنت عمران

وآسية بنت مزاحم وكلثم أخت موسى .

”اے خدیجہ! جب آپ اپنی سوتلوں سے ملنا تو میری طرف سے انہیں سلام

کہنا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے مجھ سے پہلے بھی کسی سے شادی کی



تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے (جنت میں) میرا نکاح مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور کلثم اخت موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا ہے۔“ (تاریخ ابن عساکر: ۱۱۸/۷۰)

یہ من گھڑت اور خانہ ساز روایت ہے۔ اس کا راوی ابوبکر سلمی بن عبد اللہ الہذلی ”متروک الحدیث“ ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر: ۸۰۲)

⑤ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مریم بنت عمران اور سیدہ آسیہ کے بارے میں فرمایا: **وهما من أزواجی یوم القیامة .**

”یہ دونوں روزِ قیامت میری بیویاں ہوں گی۔“ (تاریخ ابن عساکر: ۱۱۸/۷۰)

اس کی سند بھی سخت ”ضعیف“ ہے کیونکہ اس میں محمد بن عمر بن صالح الکلاعی راوی موجود ہے جس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منکر الحدیث عن ثقات الناس . ”یہ شخص ثقہ لوگوں سے منکر احادیث بیان کرتا ہے۔“ (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۲۰۹/۶)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **منکر الحدیث جدًا ، استحقّ ترک الاحتجاج بحديثه إذا انفرد .** ”اس کی حدیث سخت منکر ہوتی ہے۔ جب یہ کسی حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہو تو یہ ناقابلِ حجت ہوتا ہے۔“ (المجروحین: ۲۹۱/۲)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (البداية والنهاية: ۲۲۲/۸)

اس راوی کو حافظ ہیثمی رحمہ اللہ بھی ”ضعیف“ ہی قرار دیتے ہیں۔

(معجم الزوائد للہیثمی: ۹۳/۳)

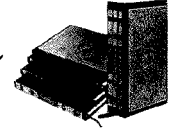
الحاصل: سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ کا جنت میں رسول اللہ ﷺ کا بیویاں بننا کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں۔ اس بارے میں کوئی روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔





غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

عقیقہ صرف ساتویں دن



بچے یا بچی کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا بالاتفاق مستحب عمل ہے۔ شریعت محمدیہ ﷺ نے اسے ساتویں دن مشروع قرار دیا ہے جیسا کہ:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یعق عن الغلام شاتان مکافتان ، وعن الجارية شاة)) ، قالت : عقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن والحسین شاتین ، ذبحهما یوم السابع .
”لڑکے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری بطور عقیقہ ذبح کی جائے گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو بکریاں ساتویں دن بطور عقیقہ ذبح کیں۔“

(العیال لابن ابی الدنیا : ۴۳ ، والسیاق لہ ، مسند البزار : ۱۲۳۹ ، مسند ابی یعلی : ۴۵۲۱ ، السنن الکبری للبیہقی : ۳۰۳/۹ ، ۳۰۴ ، وسندہ صحیح)

② سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((کلّ غلام مرتھن بعقیقته ، یذبح عنه یوم السابع ویحلق رأسه ویسمی))
”ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی رکھا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے ، اس کے سر کو مونڈھا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔“ (مسند الإمام أحمد : ۲۲۰۱۸۰۱۷۰۱۲۰۸۰۷/۵ ، سنن أبی داؤد : ۲۸۳۸ ، سنن الترمذی : ۱۵۲۲ ، سنن النسائی : ۴۲۲۵ ، سنن ابن ماجہ : ۳۱۶۵ ، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“ اور امام ابن جبارود رحمہ اللہ (۹۱۰) اور امام حاکم رحمہ اللہ (مستدرک : ۲۳۷/۴) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت



کی ہے۔

ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء و پیروی میں عقیقہ صرف ساتویں دن کرنا چاہیے، مثلاً بچہ جمعہ کے دن پیدا ہو تو اس کا عقیقہ جمعرات کے دن کرنا چاہیے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ پیدائش کے دن کو شمار نہیں کیا جائے گا لیکن یہ بات درست نہیں۔ ساتویں دن سے پہلے عقیقہ کرنا درست نہیں۔ بعض علمائے کرام ساتویں دن سے پہلے عقیقہ کی اجازت دیتے ہیں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

والظاهر أنَّ التقييد بذلك استحباب ، وإلا فلو ذبح عنه في الرابع أو الثامن أو العاشر أو ما بعده أجزأت . ”معلوم یہ ہوتا ہے کہ ساتویں دن کی

قید استحباب کے طور پر ہے، ورنہ اگر کوئی شخص بچے کی طرف سے چوتھے، آٹھویں، دسویں یا بعد والے کسی دن عقیقہ کر دے تو وہ کفایت کر جائے گا۔“ (تحفة المودود لابن القيم: ص ۵۰)

لیکن یہ بات حدیث کے مطابق درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں ساتویں دن عقیقہ کا ذکر ہے اور شریعت نے اس کا ایک وقت معین کیا ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ولا تجزى قبل يوم السابع أصلاً .

”ساتویں دن سے پہلے عقیقہ قطعاً کفایت نہیں کرے گا۔“ (المحلى لابن حزم: ۶/۲۴۰)

یہی بات علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ بھی لکھی ہے۔ (سبل السلام: ۴/۱۸۱)

اسی طرح بعض اہل علم ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکنے کی صورت میں چودھویں یا اکیسویں دن عقیقہ کی مشروعیت کے قائل ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ساتویں دن کے بعد بھی عقیقہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ جو روایات اس ضمن میں پیش کی جاتی ہیں، وہ اصولِ محدثین کے مطابق پایہ صحت کو نہیں پہنچتیں۔ ان روایات پر تبصرہ پیش خدمت ہے:

① سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

العقيقة تذبح لسبع ، أو أربع عشرة ، أو إحدى وعشرين .



”عقیقے کا جانور ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن ذبح کیا جائے۔“ (المعجم الاوسط

للطبرانی: ۴۹۷۹، المعجم الكبير للطبرانی: ۷۲۳، السنن الكبرى للبيهقي: ۳۰۳/۹)

تبصرہ: اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔ اس میں اسماعیل بن مسلم الہکی راوی

”ضعیف الحدیث“ ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر: ۴۷۴)

حافظ بیٹھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفيه اسماعيل بن مسلم المكي، وضعف لكثرة غلطه ووهمه. ”اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم الہکی راوی موجود ہے۔

اسے اس کی بہت زیادہ غلطیوں اور وہم کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔“

(مجمع الزوائد للهيثمی: ۵۹/۴)

② عطاء رحمہ اللہ نے کہا: ام کرز اور ابو کرز بیان کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے

فرمایا: وليكن ذلك يوم السابع، فإن لم يكن ففي أربعة عشر، فإن لم يكن ففي إحدى وعشرين. ”عقیقہ ساتویں دن ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو

چودھویں دن اور اگر چودھویں دن بھی نہ ہو سکے تو اکیسویں دن۔“ (المستدرک علی

الصحيحين للحاكم: ۲۳۸/۴، ۲۳۹، وقال: صحيح الاسناد، ووافقه الذهبي)

تبصرہ: اس قول کی سند ”انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔ عطاء کے

بارے میں امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولم يسمع من أمّ كرز شيئا.

”انہوں نے ام کرز سے کچھ بھی نہیں سنا۔“ (العلل لابن المدینی: ص ۱۳۹)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ: فإن لم يذبح في اليوم السابع ذبح

بعد ذلك حتى أمكن فريضا. ”اگر ساتویں دن عقیقہ کا جانور ذبح نہ کر سکے تو

اس کے بعد جب بھی اس فرض کی ادائیگی پر وہ استطاعت رکھے ایسا کر لے۔“

(المحلى لابن حزم: ۲۳۴/۶)



اس قول پر کوئی دلیل نہیں اور وہ سب روایات جن میں ذکر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا، ضعیف اور غیر ثابت شدہ ہیں۔ لہذا یہ قول ناقابل التفات اور ناقابل عمل ہے۔

اسی طرح اگر بچہ ساتویں دن سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کا عقیقہ نہیں ہوگا جبکہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا بھی عقیقہ واجب ہے۔ (المحلی لابن حزم: ۶/۲۳۴)

اور حافظ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے نزدیک مستحب ہے۔ (المجموع للنووی: ۸/۴۴۸)

یہ دونوں قول بھی مرجوح ہیں۔ عقیقہ کا تعلق زندگی سے ہے۔ دوسری طرف حدیث نے ساتویں دن کو بھی مقرر کر دیا ہے لہذا اصل سنت حاصل نہیں ہوگی۔ اسی طرح ولادت سے پہلے بھی عقیقہ جائز اور درست نہیں کیونکہ یہ عقیقہ کی سنت ایک سبب کے پیش نظر ادا کی جاتی ہے، وہ بچے کی پیدائش ہے۔ جب وہ سبب ہی نہ ہوگا تو سنت کیسے ادا ہوگی؟ قربانی کی طرح عقیقہ رات کو بھی کیا جاسکتا ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ ساتویں دن عقیقہ کرنے کی حکمت یوں بیان کرتے ہیں:

یولد یكون أمره مترددا بين السلامة والعطب ، ولا يدري هل هو من أهل الحياة أم لا إلى أن تأتي عليه مدة يستدل بما يشاهد من أحواله فيها على سلامة بنيته وصحة خلقته وأنه قابل للحياة ، وجعل مقدار تلك المدة أيام الأسبوع فإنه دور يومي كما أن السنة دور شهري والمقصود أن هذه الأيام أول مراتب العمر ، فإذا استكملها المولود انتقل إلى المرتبة الثانية وهي الشهور ، فإذا استكملها انتقل إلى الثالثة وهي السنين ، فما نقص عن هذه الأيام فغير مستوف للخليفة فجعلت تسمية المولود وإمالة الأذى عنه وفديته وفك رهانه في اليوم السابع .

”اس کی حکمت، واللہ اعلم، یہ ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا معاملہ سلامتی اور



ہلاکت کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ زندہ رہے گا یا نہیں۔ حتیٰ کہ اس پر اتنی مدت گزر جائے کہ اسے دیکھنے والا اس کے حالات سے اس کی تخلیقی سلامتی، صحت اور اس کے زندگی کے قابل ہونے کا اندازہ کر سکے۔ اس مدت کی مقدار شریعت نے ایک ہفتہ مقرر کی کیونکہ ہفتہ، دنوں کا ایک مکمل چکر ہے جیسا کہ سال مہینوں کا ایک مکمل چکر ہوتا ہے۔۔۔ مقصود یہ ہے کہ یہ سات دن مراتبِ عمر میں سے پہلا مرتبہ ہیں۔ جب بچہ ان دنوں کو پورا کر لیتا ہے تو وہ دوسرے مرتبے میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ مہینے کی صورت میں ہوتا ہے اور جب وہ دوسرے مرتبے کی تکمیل کرتا ہے تو تیسرے مرتبے، یعنی سال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جو بچہ ان مراتب میں سے کسی مرتبے کو پہنچ نہ پایا ہو، اس کی تخلیق مکمل نہیں ہوتی۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ بچے کے نام کا تعین، اس سے گندگی کو دور کرنے (ختہ کرنے اور سر منڈوانے)، اس کا فدیہ دینے اور اس کی گردن کو آزاد کرنے (عقیقہ کرنے) کے لیے ساتواں دن مقرر کیا گیا۔“ (تحفة المودود لابن القيم: ص ۷۵، ۷۶)



صحیح حدیث لو!

امام محمد بن یحییٰ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۸ھ) فرماتے ہیں:

لا یکتب الخبر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی یرویہ ثقة عن ثقة حتی یتناهی الخبر إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بهذه الصفة ، ولا یكون فیہم رجل مجهول ولا رجل معجروح ، فإذا ثبت الخبر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بهذه الصفة وجب قبولہ والعمل بہ وترک مخالفتہ . ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کردہ کوئی روایت اس وقت تک نہ لکھی جائے جب تک اسے ثقہ راوی اپنے جیسے ثقہ سے بیان کرے اور یہ سلسلہ یونہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔ اس کڑی میں کوئی مجہول یا معجروح شخص نہ ہو۔ جب کوئی حدیث اس طریقے سے ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرنا، اس پر عمل کرنا اور اس کی مخالفت چھوڑ دینا واجب ہو جاتا ہے۔“

(الكفاية فی علم الرواية للخطیب: ۳۶، وسندہ صحیح)

صحیحین میں بدعتی راوی

ہم راوی کے صدق و عدالت اور حفظ و ضبط کو دیکھتے ہیں۔ اس کا بدعتی، مثلاً مُرجی، ناصبی، قدری، معتزلی، شیعہ وغیرہ ہونا مُضر نہیں ہوتا۔ صحیح قول کے مطابق کسی عادل و ضابط بدعتی راوی کا داعی الی البدعة ہونا بھی مُضر نہیں ہوتا اور اس کی وہ روایت بھی قابل قبول ہوتی ہے جو ظاہراً اس کی بدعت کو تقویت دے رہی ہو۔

بدعت کی اقسام: حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بدعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

① بدعتِ صغریٰ ، ② بدعتِ کبریٰ

بدعتِ صغریٰ کی مثال انہوں نے تشیع سے دی ہے جبکہ بدعتِ کبریٰ کی مثال کامل

رفض اور اس میں غلو سے دی ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی: ۶۰/۱)

انہوں نے ابان بن تغلب راوی کے بارے میں لکھا ہے:

شیعی جلد ، لکنہ صدوق ، فلنا صدقہ ، وعلیہ بدعتہ .

”یہ کٹر شیعہ لیکن سچا تھا۔ ہمیں اس کی سچائی سے سروکار ہے۔ اس کی بدعت کا وبال

اسی پر ہوگا۔“ (میزان الاعتدال: ۵/۱)

اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ بدعتی راوی ثقہ اور عادل کیسے ہو سکتا ہے تو اس

کا جواب ہم حافظ ذہبی رحمہ اللہ ہی کی زبانی ذکر کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

وجوابہ أنّ البدعة علی ضربین ، فبدعة صغری کغلو التشیع أو کالتشیع

بلا غلو ولا تحرف ، فهذا كثير فی التابعین وتابعیهم مع الدین والورع

والصدق ، فلو ردّ حدیث هؤلاء لذهب جملة من الآثار النبویة ، وهذه مفسدة



بیتۃ ، ثم بدعة كبرى كالرفض الكامل والغلو فيه والخطّ على أبى بكر وعمر
 (۳) رضى الله عنهما ، والدعاء إلى ذلك ، فهذا النوع لا يحتجّ بهم ولا
 كرامة ، وأيضا فما أستحضر الآن فى هذا الضرب رجلا صادقا ولا مأمونا ، بل
 الكذب شعارهم والنقيّة والنفاق دثارهم ، فكيف يقبل نقل من هذا حاله ، حاشا
 وكّلا ، فالشيعة الغالىّ فى زمان السلف وعرفهم هو من تكلم فى عثمان
 والزبير وطلحة ومعاوية وطائفة ممّن حارب عليّا رضى الله عنه ، وتعرّض
 لسبّهم ، والغالىّ فى زماننا وعرفنا هو الذى يكفر هؤلاء السادة ويتبرأ من
 الشيخين أيضا ، فهذا ضالّ معثر ، ولم يكن أبان بن تغلب يعرض للشيخين
 أصلا ، بل قد يعتقد عليّا أفضل منهما .

”بدعت کی دو قسمیں ہیں: ① بدعتِ صغریٰ جیسے غلو یا بلا غلو شیعیت۔ اس قسم کی رائے
 تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد میں پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ وہ دیندار ، پرہیزگار
 اور سچے تھے۔ اگر ان کی احادیث ردّ کر دی جائیں تو تمام احادیث سے ہاتھ دھونے پڑیں
 گے اور یہ واضح خرابی ہے۔ ② بدعتِ کبریٰ جیسے کامل رفض اور اس میں غلو، سیدنا ابوبکر و
 عمر رضی اللہ عنہما کے وقار کو مجروح کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا۔ اس نوع کے راویوں سے
 حجت نہیں لی جائے گی، نہ ان کی عزت و تکریم کی جائے گی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ میرے
 حافظے کے مطابق ایسے راویوں میں سے کوئی ایک بھی سچا اور قابل اعتبار آدمی موجود نہیں بلکہ
 جھوٹ ان کا شعار اور تقیہ و نفاق ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو اس کی
 روایت کیسے قبول کی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ سلف کے دور میں غالی شیعہ وہ شخص تھا جو سیدنا
 عثمان، سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ، سیدنا معاویہ اور اس گروہ پر اعتراض کرتا تھا اور ان کو برا بھلا کہتا
 تھا جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی جبکہ ہمارے زمانے میں غالی وہ شخص ہے جو ان محترم
 شخصیتوں کی تکفیر کرتا ہے اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے براءت کا اعلان کرتا ہے۔ ایسا شخص



سراسر گمراہ ہے۔ جہاں تک ابان بن تغلب کا تعلق ہے تو اس نے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ صرف یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں۔“

(میزان الاعتدال: ۱/۶۰۵)

بدعتِ صغریٰ، یعنی غیر مکفرہ کے مرتکب راوی کی روایت قبول کی جائے گی، بشرطیکہ وہ ثقہ و صدوق ہو۔ بدعتِ غیر مکفرہ کو شرک اور کفر سے جا ملانا درست نہیں۔ بدعتِ کبریٰ، یعنی مکفرہ کے مرتکب راوی کی روایت مردود ہے کیونکہ وہ ساقط العدالت ہے۔ عدالت کے لیے پہلی شرط ہی اسلام ہے جو اس میں مفقود ہو چکی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۴۷ھ) لکھتے ہیں: لا إشكال في ردّ روايته .
”بدعتِ کبریٰ کے مرتکب راوی کی روایت کے مردود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔“

(اختصار علوم الحديث: ص ۸۳)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولا يبقى من الرواة الذين لم أذكرهم إلا من هو ثقة أو صدوق ، وإن كان ينسب إلى هوى ، فهو فيه متأول .
”میں نے جن راویوں کو (اپنی کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال میں) ذکر نہیں کیا، وہ سب کے سب ثقہ یا صدوق ہیں، اگرچہ ان (میں سے بعض) کو بدعتی کہا گیا ہے لیکن وہ ایک تاویل کی وجہ سے اس بدعت میں مبتلا تھے۔“ (الکامل لابن عدی: ۱/۱۶۷)

ائمہ حدیث کا مجموعہ تصرفات یہ آگاہی دیتا ہے کہ بدعتی راوی خواہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو، جب تک اس کی بدعت اس کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی اور اس کے خون کو جائز قرار نہیں دیتی، اس کی روایت قابل قبول ہوگی۔

فائدہ نمبر ①: اگر راوی ثقہ و صدوق ہو، بدعتِ غیر مکفرہ کا

مرتکب ہو تو اس کی روایت قبول ہوگی خواہ وہ روایت ظاہراً اس کی بدعت کو تقویت دے رہی



ہو۔ یہی صحیح اور حق بات ہے۔ علامہ جوزجانی (م ۲۵۹ھ) کہتے ہیں کہ اگر بدعتی راوی کی روایت اپنی بدعت کی تقویت میں ہو تو قبول نہیں۔ (احوال الرجال للجوزجانی: ۳۲)

یاد رہے کہ جوزجانی صدوق، حسن الحدیث ہیں لیکن خود غالی ناصبی، بدعتی تھے۔ ان کی یہ بات درست نہیں۔ (دیکھیے التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل: ۴۲/۱-۵۲)

فائدہ نمبر ②: امام اہل سنت نعیم بن حماد الخزاعی رحمہ اللہ بیان کرتے

ہیں کہ انہوں نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا کہ محدثین کرام نے عمرو بن عبید کو کس وجہ سے متروک قرار دیا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: عمرو بن عبید عقیدہ قدر کا داعی تھا۔ ”تقدمہ الجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ۲۷۳، وسندہ حسن“

اگر کوئی یہ اشکال پیش کرے کہ جب داعی الی البدعة کی روایت قبول ہے تو عمرو بن عبید کو داعی الی القدر ہونے کی بنا پر متروک کیوں قرار دیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن عبید پر محدثین کرام کی جرح یہ بتاتی ہیں کہ یہ ”کذاب“ اور ”وضّاع“ بھی تھا۔ یقیناً یہ اپنی بدعت کے لیے جھوٹ بولنا اور حدیثیں گھڑنا روا سمجھتا ہوگا۔ گویا اس کی اپنی بدعت کی طرف دعوت جھوٹ اور وضع حدیث سے مرکب تھی۔ ایسی مرکب دعوت راوی کو ناقابل اعتبار اور ساقط العدالت بنا دیتی ہے، لہذا محدثین کرام نے اسے متروک قرار دیا۔

یہاں بطور خاص یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ کسی شخص کے قدری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ منکر تقدیر ہے، بلکہ قدری لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ شر شیطان کی طرف سے ہوتا ہے یا شر صرف بندے کا فعل ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ خیر و شر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ شر اللہ تعالیٰ نے حکمت کے تحت پیدا کیا ہے، لہذا وہ شر بھی اپنی حقیقت میں اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سے خیر ہے۔ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فعل میں شر نہیں بلکہ اس کی مخلوقات میں شر موجود ہے۔ اتنی سی



بات منکرین حدیث سمجھ نہیں پائے اور انہوں نے محدثین کرام کو منکرین تقدیر کہہ کر اعتراضات شروع کر دیے ہیں۔ العیاذ باللہ من الزیغ!

فائدہ نمبر ۳ : امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محمّد بن الحسن الشیبانی ، صاحب الرأى ، وكان مرجئاً ، داعياً له ، وهو أوّل من ردّ على أهل المدينة ، ونصر صاحبه يعنى النعمان ، وكان عاقلاً ، ليس فى الحديث شيء ، كان يروى عن الثقات ، ويهم فيها ، فلمّا فحش ذلك منه استحقّ تركه من أجل كثرة خطئه ، لأنّه كان داعية إلى مذهبهم .

”محمد بن الحسن الشیبانی صاحب الرائے اور مرجئی تھا، ارجاء کی طرف دعوت دیتا تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اہل مدینہ کی مخالفت کی اور اپنے استاذ، یعنی نعمان کی نصرت و تائید کی۔ وہ قیاس کرتا تھا، حدیث میں کسی کام کا نہ تھا۔ وہ ثقہ راویوں سے روایات بیان کرتا تھا اور ان میں وہم کھاتا تھا۔ جب یہ اوہام زیادہ ہو گئے تو کثرتِ خطا کی وجہ سے وہ متروک قرار دیے جانے کا مستحق ہو گیا کیونکہ وہ اہل ارجاء کے مذہب کی طرف دعوت دیتا تھا۔“

(کتاب المجروحین لابن حبان: ۲/۲۷۵، ۲۷۶)

محمد بن حسن شیبانی بالاتفاق ”ضعیف“ راوی ہے۔ اس کو امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ”کذاب“ قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ عمرو بن عبید والی کاروائی میں ملوث تھا۔ اس کی طرح اس کی بھی اپنی بدعت کی طرف دعوت جھوٹ کے ساتھ مرکب تھی۔

فائدہ نمبر ۴ : اگر کوئی کہے کہ صحیح بخاری میں عباد بن یعقوب

الرواجنی البوسعید الکوفی راوی موجود ہے جو مشہور رافضی ہے اور بدعت کا داعی ہے تو واضح رہے کہ یہ راوی حسن الحدیث ہے اور جمہور محدثین کرام نے اس کی توثیق کی ہے۔ کسی بھی ثقہ و صدوق راوی کی روایت قابل قبول ہوتی ہے جب تک وہ ساقط العدالت نہ ہو جائے۔



دوسری بات یہ ہے کہ اصول بخاری میں اس کی کوئی روایت موجود نہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: وعنه البخاری حدیثا فی الصحيح مقرونا بآخر .
 ”امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس سے اپنی صحیح میں ایک حدیث روایت کی ہے لیکن وہ حدیث اس کے ساتھ دوسرے ثقہ راوی کو ساتھ ملا کر بیان کی ہے۔“ (میزان الاعتدال: ۳۷۹/۲)
 گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں اس سے حجت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”اس کی روایت کے علاوہ اس حدیث کے اور طرق بھی بخاری میں موجود ہیں۔“ (ہدی الساری لابن حجر)

لہذا یہ اعتراض ختم ہوا۔ واللہ الحمد!

اگر کوئی کہے کہ صحیح بخاری میں عمران بن حطان نامی راوی کی روایت موجود ہے جو کہ خارجیوں کا رئیس تھا تو جواب یہ ہے کہ خروج کا الزام ثابت ہو جانے کی صورت میں بھی اس راوی کی حدیث کے لیے مضر نہیں کیونکہ یہ صدوق، حسن الحدیث تھا۔ جمہور محدثین کرام نے اس کی توثیق کی ہے۔ پھر صحیح بخاری کے اندر اصول میں اس کی کوئی روایت موجود نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ متابعت میں صرف ایک حدیث ہے اور اس کے بھی کئی اور طرق موجود ہیں۔ (ہدی الساری لابن حجر: ۴۳۳)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں جو راوی اصول کے نہیں، یعنی ان کی روایات متابعات و شواہد میں ذکر کی گئی ہیں، وہ ہماری بحث سے خارج ہیں۔ عمومی طور پر منکرین حدیث اور عقل پرستوں کا حملہ انہی راویوں پر ہوتا ہے جو اصول کے راوی نہیں ہیں، یعنی امام بخاری و مسلم نے اپنی سند کے ساتھ ان سے مرفوع، مسند اور متصل روایت بیان نہیں کی ہوتی۔ ان کی روایات متابعات و شواہد میں ہوتی ہیں یا دوسرے راویوں کو ملا کر ذکر کی گئی ہوتی ہیں۔ ایسے راویوں پر جرح کر کے یا ان کو بدعتی قرار دے کر یہ باور کرانا کہ بخاری و مسلم میں ضعیف راوی موجود ہیں، محض مغالطہ ہے۔



یہی صحیح روایات بخاری و مسلم سے پہلے دوسرے محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں بھی درج کی ہوتی ہیں، اس کے باوجود حملہ بخاری و مسلم پر ہوتا ہے۔ کیوں؟

جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی صاحب منکرین حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

”یہ بے چارے اصول حدیث میں بالکل کورے ہیں۔ محمد بن خازم بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں۔ اصول حدیث کی رو سے ثقہ راوی کا خارجی یا جہمی، معتزلی یا مرجی، وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا اور صحیحین میں ایسے راوی بکثرت ہیں۔“

(احسن الکلام از صفدر، حصہ اول: ص ۳۱)

صحیح بخاری و مسلم میں بدعتی راویوں کے بارے میں چند اصولی باتیں یاد رکھنی چاہئیں:

① صحیحین میں بدعت کبریٰ، یعنی بدعت مکفرہ کے مرتکب راوی کی کوئی روایت موجود نہیں۔

② صحیحین میں ثقہ و صدوق بدعتی راویوں کی روایات موجود ہیں۔ ایسے راویوں کی روایات میں کوئی مضرت نہیں۔

③ صحیحین میں ایسے ثقہ و صدوق بدعتی راویوں کی روایات موجود ہیں جو بدعت کے داعی تھے۔ یہ چیز بھی چنداں مضرت نہیں۔

④ صحیحین میں ایسے ثقہ و صدوق راوی بھی ہیں جن پر بدعتی ہونے کا محض الزام ہے۔

⑤ صحیحین میں ایسے ثقہ و صدوق راوی بھی موجود ہیں جن پر کسی بدعتی کی تعریف کی بنا پر وہی الزام تھوپ دیا گیا۔

⑥ صحیحین میں ایسے ثقہ و صدوق راوی بھی ہیں جو پہلے بدعتی تھے لیکن بعد میں انہوں نے اپنی بدعت سے رجوع کر لیا تھا۔

⑦ یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح بخاری میں موجود روایت بدعتی راوی نے اپنی بدعت کو

⑧ صحیح بخاری و مسلم میں ایسے ثقہ و صدوق راوی بھی موجود ہیں جن کی روایات بظاہر ان کی بدعت کو تقویت دیتی ہیں۔ یہ چیز بھی مُضر نہیں کیونکہ صدق و عدالت سے موصوف ثقہ و صدوق راوی کسی صحیح حدیث میں غلط تاویل کر سکتا ہے۔ جب وہ خود سچا اور عادل ہے تو اس کی غلط تاویل سے صحیح حدیث میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ اس کی روایت قبول کرنے میں کوئی مانع اور حرج نہیں۔



مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعا!

① سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: **أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ، وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ ، وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ ، مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ .** ”میں شیطان مردود کے شر سے بہت عظیم اللہ، اس کے معزز چہرے اور اس کی قدیم بادشاہت کی پناہ میں آتا ہوں۔“

نیز آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب کوئی یہ دعا پڑھ لے تو شیطان کہتا ہے: **حُفِظَ مِنِّي سَائِرَ الْيَوْمِ .** ”یہ سارا دن مجھ سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔“

(سنن ابی داؤد: ۴۶۶، وسندہ صحیح)

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی مسجد میں داخل ہو، وہ نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ دعا پڑھے: **اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ .** ”اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔“

اور جو کوئی مسجد سے نکلے، وہ نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ دعا پڑھے: **اللَّهُمَّ اغْصَمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ .** ”اے اللہ! مجھے شیطان مردود سے محفوظ رکھنا۔“ (سنن ابن ماجہ: ۷۷۳، وسندہ صحیح)

نوٹ: یہ دعائیں پڑھنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر سلام ان الفاظ سے پڑھنا چاہیے: **السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ .**



حافظ ابو یحییٰ نور پوری

حلال جانوروں کا پیشاب !

قسط ①

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، شریعت کی رو سے ان کا پیشاب پاک ہے۔
اس حوالے سے دلائل شرعیہ ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ① : عن أنس قال : قدم أناس من عكل أو عرينة ،

فاجتووا المدينة ، فأمرهم النبي صلى الله عليه وسلم بلقاح ، وأن يشربوا من
أبوالها وألبانها ، فانطلقوا ، فلما صحوا قتلوا راعي النبي صلى الله عليه وسلم
واستاقوا النعم ، فجاء الخبر في أول النهار ، فبعث في آثارهم ، فلما ارتفع
النهار جىء بهم ، فأمر ، فقطع أيديهم وأرجلهم ، وسمرت أعينهم ، وألقوا في
الحرّة يستسقون فلا يسقون ، قال أبو قلابة : فهولاء سرقوا ، وقتلوا ، وكفروا
بعد أيمانهم ، وحاربوا الله ورسوله .

”سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ آئے ، ان کو مدینہ
کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو بیت المال کی اونٹنیوں کے پاس جانے
اور ان کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے ، جب وہ تندرست ہو گئے تو
انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ یہ خبر صبح ہی
پہنچ گئی ، آپ نے ان کے پیچھے صحابہ کو بھیجا ، جب دن چڑھ آیا تو ان کو پکڑ لایا گیا۔ آپ نے
حکم دیا اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے ، ان کی آنکھیں نکال دی گئیں اور ان کو
پتھریلی زمین میں پھینک دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے تھے لیکن ان کو پانی دیا نہ گیا۔ ابو قلابہ تابعی
فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ انجام اس لئے ہوا کہ انہوں نے قتل کیا ، چوری کی ، ایمان



لانے کے بعد مرتد ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کیا۔

(صحیح بخاری: ۲۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۱)

فقہائے امت نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب وغیرہ پاک ہوتا ہے۔ آئیے چند مشہور فقہاء کے فرامین ملاحظہ فرمائیں:

① امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴ - ۲۵۶ ھ) اس حدیث پر

تبویب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

باب أحوال الإبل والدواب والغنم ومرايضها .

”اونٹوں، چوپائیوں اور بھیڑ بکریوں کے پیشاب اور ان کے پاؤں کا حکم۔“

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وحديث العرينين ليستدل به على طهارة

أحوال الإبل . ”امام بخاری رحمہ اللہ نے قبیلہ عربینہ والے لوگوں کی حدیث اس لئے بیان

کی ہے تاکہ اس کے ذریعے اونٹوں کے پیشاب کے پاک ہونے پر استدلال کریں۔“

(فتح الباری: ۱/۳۳۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تبویب کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

غرضه إثبات طهارة أحوال الدواب المأكولة لحمها .

”امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب پاک ہیں۔“

(شرح تراجم ابواب صحیح البخاری از شاہ ولی اللہ)

② امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳ - ۳۱۱ ھ) اس حدیث پر یوں تبویب

فرماتے ہیں: باب الدليل على أن أحوال ما يؤكل لحمه ليس بنجس ،

ولا ينجس الماء إذا خالطه ، إذ النبي صلى الله عليه وسلم قد أمر بشرب أحوال

الإبل مع ألبانها ، ولو كان نجسا لم يأمر بشربه .

”اس بات پر دلیل کا بیان کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک نہیں، نہ اس کے



پانی میں ملنے سے پانی ناپاک ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اونٹ کے دودھ کے ساتھ ان کے پیشاب کو بھی پینے کا حکم دیا تھا۔ اگر وہ نجس ہوتا تو آپ اس کو پینے کا حکم نہ دیتے۔“

(صحیح ابن خزیمہ: ۱/۶۰-۶۱)

③ امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۰۰ - ۲۷۹ ھ) تبویب میں یوں رقمطراز ہیں :
باب ما جاء فی بول ما یؤکل لحمه . ”ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کا بیان۔“
نیز لکھتے ہیں : وهو قول أكثر أهل العلم ، قالوا : لا بأس ببول ما يؤکل لحمه . ”اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے ، وہ کہتے ہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔“ (جامع الترمذی، تحت الحديث: ۷۲)

اس سے بڑھ کر یہ کہ امام ترمذی نے اسی حدیث کو ”کتاب الاطعمہ“ (کھانے کا بیان) میں بھی پیش کیا ہے اور باب یوں باندھا ہے : باب ما جاء فی شرب أبوال الإبل .
”اونٹ کا پیشاب پینے کے بارے میں باب۔“ (جامع الترمذی، تحت الحديث: ۱۸۴۵)
معلوم ہوا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔
④ اس حدیث پر امام نسائی رحمہ اللہ (۲۱۵ - ۳۰۳) کی تبویب یوں ہے :
باب بول ما یؤکل لحمه .

”ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کا بیان۔“ (سنن النسائی، قبل الحديث: ۳۰۶)

⑤ امام ابن منذر رحمہ اللہ (م ۳۱۸ ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں :
وهذا يدلّ على طهارة أبوال الإبل ، ولا فرق بين أبوالها وأبوال سائر الأنعام ، ومع أنّ الأشياء على الطهارة ، حتّى تثبت نجاسة شیء منها بكتاب أو سنة أو إجماع .

”یہ حدیث اونٹوں کے پیشاب کے پاک ہونے پر دلیل ہے ، اونٹوں اور دوسرے مویشیوں کے پیشاب میں کوئی فرق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمام اشیاء اصلاً پاک ہوتی



ہیں یہاں تک کہ قرآن، حدیث یا اجماع کے ذریعے ان کی نجاست ثابت نہ ہو جائے۔“
(الاوسط لابن المنذر: ۱۹۹/۲)

⑥ امام ابن حبان (م ۳۵۴ھ) اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
ذكر الخبر المصرّح بأنّ أباال ما يؤكل لحومها غير نجسة .
”اس بات میں صریح حدیث کا بیان کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک نہیں ہے۔“ (صحیح ابن حبان: ۴/۲۲۳، تحت الحديث: ۱۳۸۶)

⑦ امام الفقیہ عبدالحق الاشبیلی رحمہ اللہ (۵۱۰ - ۵۸۱) اس حدیث پر یوں باب قائم کرتے ہیں:
باب أباال ما يؤكل لحمة ورجيعه .
”ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب اور فضلے کا بیان۔“
(الاحکام الشرعية الكبرى للاشبیلی: ۱/۳۸۹)

⑧ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ - ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:
فإذا أطلق ... الإذن في الشرب لقوم حديثي العهد بالإسلام جاهلين بأحكامه ، ولم يأمرهم بغسل أفواههم وما يصيبهم منها لأجل صلاة ولا لغيرها ، مع اعتيادهم شربها ، دلّ ذلك على مذهب القائلين بالطهارة .
”جب آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اونٹ کا پیشاب پینے کی مطلق اجازت دی ہے جو کہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کے احکام سے ناواقف تھے، نیز ان کو منہ اور پیشاب سے ملوث چیزوں کو نماز وغیرہ کے لئے دھونے کا حکم بھی نہیں دیا حالانکہ وہ بار بار اسے پیتے رہے۔ اس سے اونٹ کے پیشاب کو پاک کہنے والوں کی دلیل بنتی ہے۔“
(بحوالہ تحفة الاحوذی: ۷۸/۱)

⑨ شیخ الاسلام ثانی ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱ - ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:
وفي القصّة دليل على طهارة بول مأكول اللحم ، فإنّ التداوى



بالمحرّمات غير جائز ، ولم يؤمروا مع قرب عهدهم بالإسلام بغسل أفواههم وما أصابته ثيابهم من أبوالها للصلاة ، وتأخير البيان لا يجوز عن وقت الحاجة .

”اس واقعے میں حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کی دلیل موجود ہے کیونکہ حرام چیزوں کو بطور دوائی استعمال کرنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نماز کے لیے اپنے منہ اور وہ کپڑے دھونے کا حکم نہیں ملا جن کو یہ پیشاب لگتا تھا۔ کسی وضاحت کو وقت ضرورت سے مؤخر کرنا جائز ہی نہیں (اگر یہ پیشاب ناپاک تھا تو اسی وقت ان کو وضاحت کی جانی چاہیے تھی)۔“ (زاد المعاد لابن القيم: ۸۴/۴)

قارئین! آپ نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ اونٹ کے پیشاب کو پینے کا حکم دے رہے ہیں اور محدثین و فقہاء کی ایک جماعت اس حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کی طہارت ثابت کر رہی ہے جبکہ اس کو نجس کہنے والوں کے پاس سرے سے کوئی دلیل موجود نہیں، محض اعتراضات ہیں، جن کو ہم رفع کر دیں گے۔ إن شاء اللہ !

دلیل نمبر ② عن أنس قال : كان النبي صَلَّى الله عليه وسلم

يصلّي قبل أن يبنى المسجد في مرائب الغنم .

”سیدنا انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مسجد بننے سے پہلے بکریوں کے باڑے میں نماز ادا فرماتے تھے۔“ (صحیح البخاری: ۲۳۴، صحیح مسلم: ۵۲۴)

اس حدیث سے بھی ائمہ حدیث اور فقہائے امت نے حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کو ثابت کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

① امام بخاری رحمہ اللہ (۱۹۳-۲۵۶ھ) اس حدیث پر یوں باب قائم کرتے ہیں:

باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرائبها .

”اونٹوں، مویشیوں اور بکریوں کے پیشاب نیز بکریوں کے باڑوں کا بیان۔“



② امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۰۰-۲۷۹ھ) کی تبویب یہ ہے:

باب ما جاء في الصلاة في مراض الغنم وأعطان الابل .

”بکریوں اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز کا بیان۔“ (جامع الترمذی، قبل الحديث: ۳۵۰)

نیز بکریوں کے باڑوں میں نماز کی اجازت اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وعليه العمل عند أصحابنا ، وبه يقول أحمد وإسحاق .

”ہمارے اصحاب (محدثین) کے ہاں اسی پر عمل ہے، نیز امام احمد بن حنبل اور امام

اسحاق بن راہویہ رحمہما کا یہی فتویٰ ہے۔“ (جامع الترمذی، تحت الحديث: ۳۴۹)

③ امام ابن خزمیہ (۲۲۳-۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

باب ما جاء الصلاة في مراض الغنم .

”بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کے جواز کا بیان۔“ (صحيح ابن خزيمة: ۵/۲)

④ امام ابن حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) اس حدیث پر تبویب فرماتے ہیں:

ذكر جواز الصلاة للمرء على المواضع التي أصابها أبوال ما يؤكل

لحومها وأروائها .

”اس بات کا بیان کہ آدمی کا ان جگہوں میں نماز پڑھنا جائز ہے جو حلال جانوروں

کے پیشاب اور گوبر میں ملوث ہوں۔“

نیز بکریوں کے باڑوں میں نماز کی اجازت والی ایک دوسری حدیث پر یہ تبویب

کرتے ہیں: ذكر الخبر المدحض قول من زعم أنّ أبوال ما يؤكل

لحومها نجسة . ”اس حدیث کا بیان جو ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کو نجس

خیال کرنے والے لوگوں کا رد کرتی ہے۔“ (صحيح ابن حبان: ۲۲۴/۴-۲۲۶)

⑤ علامہ نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:



وَأَمَّا إِبَاحَتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ دُونَ مَبَارِكِ الْإِبِلِ ، فَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

”رہا آپ ﷺ کا بکریوں کے باڑوں میں نماز کو مباح قرار دینا اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز سے روکنا تو اس پر سب کا اتفاق ہے۔“ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱/۱۵۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) احادیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے پر دلیل لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَصَحَّ عَنْهُ أَنَّهُ أَذِنَ فِي الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ ، وَلَمْ يَأْمُرْ بِحَائِلٍ ...

”آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور کسی قسم کی رکاوٹ وغیرہ رکھنے کا حکم نہیں دیا (تو معلوم ہوا کہ بکریوں کا پیشاب پاک ہے)۔“ (شرح العمدة في الفقه: ۱/۶۰)

قارئین! آپ جان چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے خود بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھی ہے، نیز سوال کرنے والے صحابی کو آپ نے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۶۰) محدثین کرام نے ان احادیث سے بھی ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طہارت ثابت کی ہے جیسا کہ ان کی مذکورہ تبویب سے عیاں ہے۔

دلیل نمبر ۳ : عن عبد الله قال : كان النبي صَلَّى الله عليه

وسلم يصلي عند البيت ، وأبو جهل وأصحاب له جلوس ، إذ قال بعضهم لبعض : أتيكم بجيء بسلى جزور بنى فلان ، فيضعه على ظهر محمد إذا سجد؟ فانعبث أشقى القوم ، فجاء به ، فنظر حتى إذا سجد النبي صَلَّى الله عليه وسلم وضعه على ظهره بين كتفيه ، وأنا أنظر ، لا أغنى شيئا ، لو كانت لي منعة ، قال : فجعلوا يضحكون و يحيل بعضهم على بعض ، ورسول الله صَلَّى الله عليه



وسلم ساجد لا یرفع رأسه ، حتی جاءته فاطمة فطرحته عن ظهره ، فرفع رأسه ثم قال : ((اللهم عليك بقريش)) ، ثلاث مرّات ، فشقّ عليهم إذ دعا عليهم ، قال : وكانوا يرون أنّ الدعوة في ذلك البلد مستجابة ، ثم سمّى : ((اللهم عليك بأبي جهل ، وعليك بعتبة بن ربيعة ، وشيبة بن ربيعة ، والوليد بن عتبة ، وأمّية ابن خلف ، وعقبة بن أبي معيط)) ، وعدّ السابع فلم نحفظه ، قال : فوالذي نفسى بيده ! لقد رأيت الذين عدّ رسول الله صلى الله عليه وسلم صرعى في القلب قلب بدر .

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ بیت اللہ کے قریب نماز ادا کر رہے تھے۔ ابو جہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: تم میں سے کون فلاں قبیلے کے اونٹ کی بچہ دانی لا کر سجدے کی حالت میں محمد ﷺ کی پشت پر رکھے گا؟ ان میں سے بد بخت ترین شخص اٹھا، بچہ دانی لایا اور انتظار کرتا رہا، جب نبی اکرم ﷺ نے سجدہ کیا تو وہ آپ کی کمر پر دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دی۔ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا لیکن کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کاش مجھ میں طاقت ہوتی۔ وہ کفار ہنسنے لگے اور خوشی سے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ سجدے میں ہی تھے، سر نہیں اٹھا سکتے تھے، یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں اور بچہ دانی آپ کی کمر مبارک سے ہٹا دی۔ آپ ﷺ نے سراٹھایا، پھر تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ! قریشیوں کو ہلاک کر دے، آپ کی بددعا ان پر گراں گزری۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کفار سمجھتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے پھر نام لے کر فرمایا: اے اللہ! تو ابو جہل کو ہلاک کر دے، عتبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر دے، شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر دے، ولید بن عقبہ کو ہلاک کر دے، امیہ بن خلف کو ہلاک کر دے، عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر دے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے ساتواں نام بھی شمار کیا لیکن ہم اسے یاد نہ رکھ سکے۔ اس ذات کی قسم



جس کے ہاتھ میں میرے جان ہے! میں نے ان سب لوگوں کو بدر والے دن کنویں میں اوندھے پڑے دیکھا جن کو رسول اکرم ﷺ نے شمار کیا تھا۔“

(صحیح البخاری: ۲۴۰، صحیح مسلم: ۱۷۹۴)

بعض روایات میں آپ ﷺ پر قریش کی طرف سے گوبر اور خون ڈالنے کا صریح ذکر بھی ہے۔ (سنن النسائی: ۳۰۸، وغیرہ)

❁ امام نسائی رحمہ اللہ (۲۱۵-۳۰۳ھ) اس حدیث پر یوں باب باندھتے ہیں:

باب فرث ما يؤكل لحمه يصيب الثوب .

”ماکول اللحم جانوروں کا گوبر اگر کپڑوں کو لگ جائے تو اس کا حکم۔“

(سنن النسائی المجتبى: ۳۰۸)

علامہ سندھی حنفی رحمہ اللہ (م ۱۱۳۸ھ) لکھتے ہیں:

واستدلّ بالحديث المصنّف على طهارة فرث ما يؤكل لحمه .

”امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ماکول اللحم جانوروں کے گوبر کے پاک ہونے

کا استدلال کیا ہے۔“ (حاشیۃ السندی علی سنن النسائی: ۱/۱۶۲)

❁ امام عبدالحق الاشعری رحمہ اللہ (۵۱۰-۵۸۱ھ) اس کی تبویب میں لکھتے ہیں:

باب أوال ما يؤكل لحمه ورجعيه .

”ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب اور گوبر کا بیان۔“

(الاحکام الشریعة الکبریٰ للاشعری: ۱/۳۸۹)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۴۷۶-۵۴۳ھ) بھی ماکول اللحم جانوروں کے گوبر کو

پاک کہتے تھے۔ (شرح مسلم للنووی: ۲/۱۰۸)

جاری ہے۔۔۔۔



ابو عبد اللہ صارم

نماز میں سورۃ فاتحہ اور امام

نماز میں سورۃ فاتحہ کی قراءت کے حوالے سے بعض مقلدین یہ روایت پیش کرتے ہیں:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: **إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَاءَ إِلَى**

أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ يَصَلِّي بِالنَّاسِ فِي مَرْضَاهُ أَخَذَ مِنْ حَيْثُ كَانَ بَلَغَ أَبُو بَكْرٍ مِنَ الْقِرَاءَةِ .

”سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نبی اکرم ﷺ کی بیماری میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے تو

آپ ﷺ تشریف لائے اور وہیں سے قراءت شروع کر دی جہاں تک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ چکے تھے۔“

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۲/۲۱۱، مسند الامام احمد: ۱/۲۳۱، سنن ابن ماجہ: ۱۲۳۵)

اس کی سند ابواسحاق سمیعی راوی کی ”تدلیس“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔ انہوں نے سماع کی

تصریح نہیں کی۔ ابواسحاق سمیعی کو امام شعبہ (معرفۃ السنن والآثار: ۱/۶۵، وسندہ صحیح)، امام نسائی (طبقات

المدلسین: ۴۲)، حسین کراچی، ابوجعفر طبری (تہذیب التہذیب: ۸/۶۶)، امام ابن خزیمہ (۱۰۹۳)، امام

ابن منذر (الاوسط: ۵/۲۱۷)، امام ابن حبان (۵/۱۷۷) رحمہم اللہ وغیرہ نے ”مدلس“ قرار دیا ہے۔ مسلم

اصول ہے کہ ”ثقہ، مدلس“ جب سماع کی تصریح نہ کرے تو بخاری و مسلم کے علاوہ اس کی روایت ”ضعیف“

ہوتی ہے۔

مسند احمد (۱/۲۰۹) والی روایت کی سند میں قیس بن ربیع راوی ہے جو جمہور محدثین کرام کے نزدیک

”ضعیف“ ہے۔ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعفه الجمهور .**

”اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (المغنی عن حمل الاسفار للعراقی: ۴/۷۰)

علامہ پیشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وضعفه الأكثرون .** ”اسے زیادہ محدثین نے ضعیف کہا

ہے۔“ (فیض القدیر للمناوی: ۶/۶۹)

مقتدی کو سورت فاتحہ سے منع کرنے والے اب امام کو بھی فاتحہ سے منع کرنے لگے ہیں کیونکہ اس

”ضعیف“ روایت میں امام کی بات ہو رہی ہے نہ کہ مقتدی کی۔

